ذبح عظیم کی تفسیر

(خطبہ عیدالاضحیہ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۲ء بمقام مسجد فضل لندن کے انگریزی متن کا ترجمہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۴﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۵﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۷﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۱۰﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ (الصّٰفّٰت: ۱۰۳-۱۱۲)

پھر فرمایا:

اسلام میں تہوار منانے کے طریق دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے طریق سے مختلف ہیں۔ یہ فرق کئی پہلوؤں سے ہے لیکن میں نے اپنی بات واضح کرنے کے لئے آج ایک پہلو کو لیا ہے۔ اسلام میں کسی تہوار کو منانے کے پس پردہ جو حکمت ہے وہ دیگر ایسی تقریبات کی فلاسفی سے مختلف

ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ہم پہلے عیدالفطر مناتے ہیں۔ عیدالفطر رمضان کا مشقت سے بھرپور مہینہ گزارنے کے بعد منائی جاتی ہے۔ ہم اللہ کی خاطر کئی پہلوؤں سے قربانی پیش کرتے ہیں۔ ہمارے تمام حواس خمسہ ان قربانیوں میں حصہ لیتے ہیں، اسے عیدالفطر کہتے ہیں۔ بچپن میں ہم اسے چھوٹی عید کہا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد ہم آج عیدالاضحیہ منا رہے ہیں جسے قربانیوں کی عید بھی کہا جاتا ہے اور بچپن میں ہم اسے بڑی عید کہا کرتے تھے۔

اگر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جس نے بھی یہ نام رکھے ہیں بالکل درست رکھے ہیں کیونکہ جو قربانیاں ہم چھوٹی عید میں پیش کرتے ہیں وہ عیدالاضحیہ میں پیش کی گئی قربانیوں کی نسبت بہت کم اور معمولی نوعیت کی ہیں۔ اس عید میں جو ہم آج منا رہے ہیں اپنی تمام زندگی خدا کے حضور پیش کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کچھ وقت کے لئے کسی جذباتی قربانی کا معاملہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اس طرح ثابت قدم رہنا کہ اپنا کچھ بھی باقی نہ رہنا، ہر چیز کا مالک خدا کو قرار دے کر اس کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا، یہ ہے وہ پیغام جو یہ عید ہمیں دیتی ہے۔

میں نے قرآن کریم کا جو حصہ تلاوت کیا ہے وہ اس پر ایک خاص پہلو سے روشنی ڈالتا ہے۔ لیکن صرف یہی نہیں بلکہ محض اس نظر سے دیکھنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ ہماری راہ نمائی فرماتا ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ جو حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے ایک خاص عمر کو پہنچے جب وہ اس عظیم الشان مقصد کو پورا کرنے کے قابل ہوئے تو ان کے والد حضرت ابراہیمؑ نے انہیں مخاطب کیا۔ مگر قبل اس کے کہ میں اس بارہ میں آپ کو بتاؤں میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کیوں میں نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ قرآن کریم کے اردو یا انگریزی تراجم میں عموماً ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ اس عمر کو پہنچے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے تو یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچہ ابھی چھوٹا ہوتا ہے اور اپنے باپ کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے۔ لیکن میرا خیال اس سے مختلف ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض پہلوؤں سے یہ درست ہو لیکن میں نے اس پر غور کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ سَعْی کا مطلب حصہ لینا بھی ہوتا ہے۔ یقیناً اس کا مطلب ساتھ دوڑنا بھی ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی بعض اور آیات سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کا مطلب کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے غور و فکر کرنا اور کوشش کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب کسی برے اور غلط مقصد کے حصول کی کوشش بھی ہے۔ مگر بنیادی طور

پر اس کا مطلب کسی راستہ کو اختیار کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۲۰)

اس آیت میں حیات بعد الموت یا آخرت اور اس کے حصول کے لئے سنجیدہ، گہری کوشش کا ذکر ہے۔ سَعٰى لَهَا یعنی وہ راستہ اختیار کرنا جو آخرت کا راستہ ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وہی دراصل صحیح مومن ہیں جو اپنے خدا پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور ان کی مخلصانہ کوششوں کو قبول فرمائے گا۔

اس طرح ایک اور جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم:۴۰) یعنی انسان کے لئے سوائے اس کی جس کی وہ کوشش کرے کچھ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس آیت کا ترجمہ ان تراجم سے جو عموماً آپ پڑھتے ہیں مختلف کیا ہے۔ قرآن کریم کے اس آیت کے ترجمہ میں فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کہ جب وہ اس عمر کو پہنچا جب وہ اس قابل ہو گیا کہ اپنے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو آپ کے والد کے مقصد تھے یعنی وہ سب کچھ حاصل کرنا جو خدا تعالیٰ سے وابستہ کر دیتا ہے اور سیدھا راستہ اختیار کرنا۔

اب اس ترجمہ پر مزید غور کریں۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو ایک خواب سناتے ہیں جو انہوں نے اس سے قبل دیکھی تھی اور آپ اس انتظار میں تھے کہ آپ کا بیٹا اس عمر کو پہنچ جائے جب وہ اس خواب کی اہمیت اچھی طرح سمجھ کر اس راستے کو اختیار کر سکے جو اس میں بتایا گیا ہے۔ اب اگر آپ ابھی اس عمر کو ہی پہنچے تھے کہ ابھی ایک چھوٹے بچے کی طرح اپنے والد کے ساتھ دوڑتے تھے اور آپ اس ذہنی بلوغت کو نہیں پہنچے تھے کہ ایک بالغ آدمی کی طرح آپ سے گفتگو کر کے آپ کو وہ رؤیا بتائی جائے اور غور کرنے کے بعد آپ سے اس پر فیصلہ مانگا جائے، یہ ناممکن ہے اور یہ میری سمجھ سے بالا ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ، ایک بہت چھوٹے بچے سے اس کے والد رؤیا بیان کر کے فیصلہ طلب کریں۔ مزید یہ کہ اسلام میں منع ہے کہ آپ اپنے بچوں کو قربانیوں پر مجبور کریں اور حضرت ابراہیمؑ اسلام کو کئی لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ کئی لوگوں سے میری مراد کئی انبیاء ہیں۔ یقیناً آنحضور ﷺ جتنا اسلام تو وہ نہیں جانتے تھے لیکن انبیاء کے حلقہ میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ تو کس طرح وہ یہ

غلطی کر سکتے تھے کہ اپنے بچے سے جو ابھی کسی فیصلہ کے قابل ہی نہ ہوئے تھے۔ دریافت کریں کہ ان کی رؤیا پر غور کر کے کوئی فیصلہ کریں۔ چنانچہ بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ کا یہی مطلب ہو سکتا ہے جب وہ اس عمر کو پہنچ گئے تھے کہ جب وہ حضرت ابراہیمؑ پر خدا تعالیٰ کے نازل کردہ قانون یعنی شریعت کو سمجھ سکیں گویا جب وہ ذہنی بلوغت کی اس عمر کو پہنچ گئے کہ اپنے والد کی طرح ان تمام مقاصد یعنی شریعت کو حاصل کر سکیں تب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی خواب ان کے سامنے بیان کی جو انہوں نے پہلے دیکھی تھی اور جو انہوں نے جزوی طور پر اپنے خیال کے مطابق پوری کر لی تھی۔ اب قرآن کریم ان سے مخاطب ہو کر ہمیں بتاتا ہے اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰی اے میرے پیارے بیٹے! میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اس پر غور کر کے فیصلہ کریں کہ اس کا کیا مطلب ہے یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ بغیر کسی توقف کے اور بغیر کسی جھجھک کے فوری جواب یہ تھا کہ اے میرے پیارے باپ! وہی کریں جیسا کہ حکم دیا گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔ اگر اس نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ جب دونوں نے اپنی مرضی خدا کی مرضی پر قربان کر دی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اس قابل ہو چکے تھے کہ وہ اپنی مرضی خدا کی مرضی پر قربان کر سکتے تھے۔ جو ایک بچہ نہیں کر سکتا۔

تو انہوں نے انہیں نرمی سے زمین پر اس طرح لٹایا کہ ان کا منہ نیچے کی طرف تھا۔ یہاں بھی میں نے قرآن کریم کے مروجہ تراجم سے اختلاف کیا ہے۔ ترجمہ جو میری نظر سے گزرا ہے اس میں درج ہے کہ انہوں نے ان کو زمین پر ماتھے کے بل گرا دیا۔ میں نے لغت دیکھی ہے اس میں اس لفظ کے اچھے معانی بھی ہیں۔ جب کسی کو آرام سے، نرمی سے زمین پر پہلو کے بل لٹایا جائے تو اسے بھی تَلَّ کہتے ہیں۔ تو پھر سیاق وسباق کے مطابق معنی کیوں نہ اختیار کئے جائیں؟

پھر بیان ہے کہ جب ابراہیمؑ خدا کی خاطر ذبح کرنے ہی والے تھے تو خدا فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو مخاطب کیا اور اسے زور سے آواز دی۔ اے ابراہیم! قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا تم تو اپنا رؤیا پورا کر چکے ہو جو ہم تمہیں دکھا چکے ہیں۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ہم اسی طرح ان لوگوں کو جزا دیا کرتے ہیں جو ہماری راہ میں نیک کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جو کچھ ہوا یہ اس کی بہت

خوبصورت تصویر ہے اور آج کے تہوار کے گہری اور وسیع معانی ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

پہلے اسے ذرا تفصیل سے دیکھیں، زیادہ وضاحت سے ان آیات کی خوبصورتی پر غور کریں۔ یہ اتنی اداسی اور خشیت اللہ لئے ہوئی ہے کہ دل جذبات سے بھر آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور آنسو بہہ نکلتے ہیں لیکن ان میں بہت سے پیغام ہیں، بہت سے اہم سبق ہیں جو ان سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

پہلا تو یہ کہ آپ قربانی پیش تو کر سکتے ہیں قربانی قبول نہیں کر سکتے۔ آپ کا اپنے بچوں پر بھی کوئی اختیار نہیں۔ اس سے ہمیں یہ پہلا سبق ملتا ہے۔ یہ حقیقت کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ رؤیا بہت پہلے دیکھا تھا اور پھر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو جو اس وقت بچے بھی نہیں تھے بلکہ شیر خوار تھے، کعبہ کے پاس لا کر آباد کر دینا ایک طرح سے رؤیا کو پورا کرنے کی کوشش تھی۔ ان دونوں کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ وہ اس رؤیا کو من وعن پورا کر سکتے۔ کیوں ناممکن تھی؟ کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے دیگر افراد کی نسبت اسلام کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بارہ میں یہ گمان کرنا غلط ہے کہ وہ کسی باپ کو اپنے شیر خوار بچے کو جس کو ابھی کچھ سمجھ ہی نہیں ہے، جو کچھ جانتا ہی نہیں ہے، ذبح کرنے کا حکم دے۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی جان کی قربانی کی بجائے دوسروں کی قربانی کرتا پھرے۔

اور وہ خدا تعالیٰ کے الفاظ میں کسی قسم کے تضاد کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور حضرت اسماعیلؑ کی ولادت سے بھی پہلے انہیں واضح طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ وہ بڑی عمر کو پہنچیں گے اور ان کے اولاد ہوگی اور خدا تعالیٰ انہیں بڑھائے گا اور ان کی اولاد دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گی اور قیامت تک قائم رہے گی۔ تو پھر وہی خدا ایک ہی وقت میں ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے جب کہ ان کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی؟ یہ بات بعد کی نہیں لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ان کی شادی ہو چکی تھی اور اولاد بھی تھی، وہ اس عمر کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انتظار کیا، انہیں اس پیغام کی روح کا علم تھا لیکن پھر بھی انہیں قربانی پیش کرنے کی بے قراری بھی تھی۔ انبیاء میں قربانی پیش کرنے میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

اَرِنَا مَنَاسِکَنَا ایک اور جگہ وہ دعا کرتے ہیں، اپنے رب سے مخاطب ہو کر عرض کرتے

ہیں اے خدا! ہمیں ہماری قربانی کے راستے بتا، ایسے مواقع دکھا جہاں ہم تیرے حضور زیادہ قربانیاں پیش کر سکیں۔ یہ ابراہیمی روح تھی۔ وہ انتظار نہیں کر سکتے تھے، انہوں نے اس سے یہ مطلب اخذ کیا کہ اگر میں اپنی بیوی اور بچے کو ایک ویران جگہ پر چھوڑ آؤں جہاں کھانا یا پانی میسر نہ ہو لیکن ایک مقصد پورا ہوتا ہو، کسی عام صحرا یا جگہ پر نہیں ورنہ یہ بات رؤیا کے مقصد کے خلاف ہوتی۔ کوئی بے معنی قربانی خدا کے حضور قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپؑ کی فراست پر غور کریں۔ انہوں نے کوئی عام جگہ منتخب نہیں کی بلکہ خانہ کعبہ کی جگہ منتخب کی۔ انہوں نے یقیناً پہلے تحقیق کی ہوگی، لوگوں سے رابطہ کر کے کعبہ کے آثار تلاش کئے ہوں گے۔ وہ گھر جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سب سے پہلے تعمیر ہوا، تیاری کے بعد پتہ لگ جانے پر آپ اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو اس جگہ پر لے آئے جہاں سے نزدیک ہی کعبہ کے نشان تھے اور ان کے لئے کافی کھانا اور پانی چھوڑا اور آپؑ واپس جانے لگے۔ حضرت ہاجرہؑ کو علم تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ آپؑ کے پیچھے آئیں اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ آپؑ کے رویہ میں عجیب سی تبدیلی ہے۔ آپؑ ہمیں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں کیوں؟

قرآن کریم سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت نرم دل تھے۔ اتنے نرم دل کہ آپؑ کا دل اپنے دشمنوں کے لئے بھی پگھل جاتا تھا۔ تو کس طرح سوچ سکتے ہیں کہ وہ جذباتی طور پر بے چین نہ ہوئے ہوں گے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب وہ واپس جا رہے تھے تو وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ حضرت ہاجرہؑ نے بار بار وجہ پوچھی، وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ انہیں پتہ تھا کہ وہ اس وقت جذباتی ہیں کہ کہیں اپنے جذبات ظاہر کر کے اس قربانی کی قدر نہ کھو دیں۔ چنانچہ حضرت ہاجرہؑ نے بالآخر اندازہ لگا لیا کہ ان کے دل میں کیا ہے اور دریافت کیا کہ کیا آپ خدا کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواباً سر ہلایا اور آسمان کی طرف دیکھا اور یہ دعا کرتے ہوئے واپس چلے گئے کہ اے خدا! میں نے صرف تیری خاطر اس رؤیا کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے جو تو نے مجھے دکھائی تھی۔ ان کی حفاظت فرما کہ تجھ سے بہتر اور کوئی حفاظت کرنے والا نہیں۔

تو ان کا دل اس قسم کی دعاؤں میں لگا ہوا تھا جب انہوں نے بظاہر اپنے بیٹے اور ان کی والدہ کو وہاں چھوڑا۔ یہ قربانی جس کے نتیجے میں یہ عید منائی جاتی ہے نہ صرف ایک باپ کی قربانی یاد دلاتی ہے بلکہ ایک ماں اور بیٹے کی قربانی بھی یاد دلاتی ہے، پورے خاندان کی۔ اس قربانی میں تمام

خاندان شریک تھا اور ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ بعد میں کیا ہونے والا تھا؟ یہ مستقبل میں قربانیاں پیش کرنے کی وہ رفتار تھی جو حضرت ابراہیمؑ نے قائم کی تھی۔ اس میں ہمیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ کی قربانیوں کا نقشہ نظر آتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ثمرہ اور قربانیوں کا مجسم نمونہ تھے لیکن اس کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔

اس نوجوان بیٹے کے جواب کو دیکھیں قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اے میرے باپ! آپ نے میری اس رنگ میں پرورش کی ہے اب میرے لئے ناممکن ہے کہ کچھ اور سوچ سکوں۔ میری طرح آپ کو بھی علم ہے کہ خدا کی مرضی غالب آئے گی۔ تو جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے، جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے وہ کریں اور انشاء اللہ اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدم اور صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ اس طرح وہ ایک علیحدہ جگہ پر گئے اور جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، انہوں نے آپ کو بڑے آرام سے لٹا دیا۔ عربی میں تلّ کے لفظ کے معانی زمین پر پہلو کے بل لٹا دینے کے ہوتے ہیں۔

اس موقع پر آپ کو اس طرح لٹایا گیا کہ آپؑ کا ماتھا زمین پر تھا۔ کیوں؟ کیوں یہ کوئی معمولی قربانی نہیں تھی وہ اسے عام جانوروں کی قربانی سے ممتاز کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں اس طرح لٹایا جیسے وہ خدا کے حضور سجدہ کی حالت میں ہوں۔ تا کہ خدا کے حضور ظاہر کریں کہ وہ اور ان کا بیٹا دونوں تیری مرضی کے آگے مکمل فرمانبرداری کی حالت میں ہیں۔ ہمارا کچھ بھی باقی نہیں۔ یہ اس لئے بھی تھا کہ اس طرح وہ اپنے بیٹے کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتے تھے کہ کیا ہونے والا ہے کہ کہیں ان کا دل نہ پسیج جائے، اس موقع کے لئے انہوں نے بہترین طریق اختیار کیا تھا لیکن جب آپؑ انہیں اپنے خیال میں خدا کی مرضی کے مطابق ذبح کرنے ہی لگے تھے تو انہوں نے آسمان سے ایک آواز سنی جس نے انہیں کہا کہ اے ابراہیم! تم نے تو یہ رؤیا پہلے سے پوری کر دی ہے اب اس کے ظاہری معانی کے لحاظ سے اسے کیوں پورا کرتے ہو؟ کیونکہ تم نے تو زیادہ بڑی قربانی پیش کر دی ہے اور کسی کو قتل ہوتے دیکھنا دیکھنے والوں کے لئے تو بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنی جان اس رنگ میں پیش کرتے ہیں ان کے لئے تو یہ بس ایک لمحے کی بات ہے۔ ایک قربانی جو پیش کی اور ختم لیکن اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تم یہ رؤیا اس سے بہتر طور پر پہلے ہی پورا کر چکے ہو جب تم نے اپنے بیٹے کو صحرا

میں بغیر کھانے اور پانی کے چھوڑا تھا تو تم نے اس کی ساری زندگی ہی میری خاطر پیش کر دی تھی۔ وہ ایسے ماحول میں پلا بڑھا کہ مجھے یاد کرے اور اس گھر کی حفاظت کرے جو میری خاطر دنیا میں پہلی بار بسایا گیا تھا اور اس کی تو ساری زندگی ہی میری خاطر خدمت کرتے گزری ہے۔ تم اور کیا چاہتے ہو؟ تم تو یہ کام پہلے ہی کر چکے ہو۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اور اسی طرح ہم ان لوگوں کو جو ہمارے راستہ پر نیک عمل کرتے ہیں جزا دیا کرتے ہیں۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اس کے بعد یہ ذکر نہیں وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ تو کوئی ترجمہ جو اس کی ترتیب بدل دے درست نہیں ہو سکتا۔ بعض تراجم اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایک بھیڑ یا بکری کی قربانی کا ذکر فرماتا ہے جس کے سینگ اس وقت ایک جھاڑی میں پھنس گئے اور فرماتا ہے کہ اس طرح ہم ان لوگوں کو جو ہماری راہ میں نیک عمل کرتے ہیں جزا دیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا ذکر پہلے ہے اور کسی دوسری قربانی کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کا آپس میں تعلق نہیں ہے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جو خلوص نیت سے اللہ کے حضور قربانی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہم انہیں جزاء دیتے ہیں کہ وہ خدا سے اپنے عہد پورے کریں اور جیسے تم نے اور تمہارے بیٹے نے تقویٰ کی راہوں پر قدم مارتے ہوئے میرے حضور مسلسل قربانیاں پیش کی ہیں تو محسنین کی یہ جزاء ہے۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا کا لفظ ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔ چونکہ تم نے پہلے سے ہی یہ رؤیا پوری کر دی ہے تو میں نے تمہیں موقع اور طاقت دی کہ تم اسے اس رنگ میں پورا کر سکو۔ تو یہ ہے وہ جزاء جو محسنین کو دی جاتی ہے۔ جنگل سے کسی بھیڑ کا مل جانا جزاء نہیں ہے۔ اس کا یہاں کیا کام؟ یہ قربانی اتنی عظیم الشان ہے کہ اس میں کسی بھیڑ کا ذکر داخل ہو جانے کے کوئی معنی نہیں بنتے اور اللہ تعالیٰ کی یہ مراد ہرگز نہیں اور دوبارہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ذبح عظیم ایک مختلف چیز ہے۔

عام مفسرین کے بالمقابل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر جو روشنی ڈالی ہے اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جو بیان فرمایا ہے شکر ہے اس نے ہمیں اس قربانی کے نئے

معانی سمجھائے ہیں کہ قرآن کریم اس بارہ میں کیا فرماتا ہے؟ ذبح عظیم سے مراد وہ تمام عظیم الشان قربانیاں ہیں جن میں سب سے بڑی قربانی وہ ہے جو آنحضور ﷺ اور آپؐ کے پیروکاروں نے پیش کیں۔ یہی قربانیاں تھیں جن کے لئے یہ تمام سلسلہ شروع کیا گیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عظیم آباؤ اجداد ہونے کا حق ادا کر دیا اور پھر ان کی نسل سے قربانیوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی۔

ہم اسے کس طرح جوڑتے ہیں؟ ہمارے پاس کوئی ثبوت ہونا چاہئے۔ چنانچہ میں آپ کی توجہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات کی طرف مبذول کرواتا ہوں اور وہ احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تفاسیر کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ کسی سورۃ کے ابتدا میں جو کچھ بیان ہو اس سورۃ میں اس کی تفصیل بیان ہوتی ہے۔ ایک مکمل تعارف سورۃ کے ابتدا میں اس میں بیان فرمودہ مضامین کا دیا جاتا ہے اور باقی سورۃ میں مثالوں کے ذریعہ بات واضح کی جاتی ہے اور ان آیات میں خاص طور پر آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی قربانیوں کا ذکر ہے اور آپؐ سے پہلے گزرنے والے انبیاء کی قربانیوں کا عمومی طور پر ذکر ہے۔ اس آیت سے صرف یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اس سورۃ کی ابتدائی آیات کی طرف اشارہ کر رہی ہے جہاں خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں کرنے والے لوگوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے۔

اس سورۃ کا آغاز وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا سے ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو جنگ کے لئے صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا اور جو دوسروں کو بآواز بلند نصیحت کرتے ہیں فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اور وہ اللہ کے حضور ہمیشہ اسے یاد کرتے ہوئے جھکتے ہیں۔ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ان چیزوں کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے۔ مجھے اس کا ترجمہ اس طرح کرنا چاہئے تھا، قسم ہے ان کی جو جنگ کے لئے صفیں باندھے کھڑے ہیں اور قسم ہے ان کی جو بلند آواز سے نصیحت کرتے ہیں اور قسم ہے ان کی جو ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے ہیں ان کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ تو یہ وہ عام ترجمہ ہے جو ہمیں قرآن کریم کے تراجم میں ملتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کئی پہلوؤں سے ہو سکتا ہے مگر خدا نے اپنے فضل سے میری توجہ ایک نئے پہلو کی طرف پھیری ہے۔ ان معانی کے علاوہ دوسرے معانی کیوں کئے ہیں

تا کہ ہم انہیں ایک نئے پہلو سے دیکھ سکیں اور میرا ترجمہ اس طرز کا غالباً پہلا ترجمہ ہے۔

اللہ گواہ پیش فرماتا ہے ان کی قسم کھاتا ہے جنگ میں ایک فریق نہیں ہوتا بلکہ دو فریق ہوتے ہیں وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا کا مطلب ہے کہ دونوں فریق جنگ کی حالت میں ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں اور ہر اس سے اگلی آیت میں ایک فریق کا رویہ بیان کیا گیا ہے اور اگلی آیت میں دوسرے فریق کا بے شک وہ بظاہر برابر ہیں اور دنیا کی کسی بھی فوج کی طرح وہ ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے ہیں۔ مگر ان میں بہت فرق ہے اور اسی فرق کی طرف خدا تعالیٰ اگلی آیات میں اشارہ فرماتا ہے کہ اس حالت جنگ میں ایک گروہ تو وہ ہے جو گیدڑ بھبکیوں اور بلند بانگ نعروں سے کام لے رہا ہے۔

عربی میں فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ یہی ان کا مقصد ہے اور یہی ان کا مطمح نظر ہے۔ ان کے سامنے کوئی عظیم الشان مقصد نہیں، وہ اپنی تمام تر طاقت اپنے مادی سامانوں سے حاصل کرتے اور انہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور دنیا کے عام لوگوں کی طرح ان کے ذہنوں میں بھی اپنی تعریف کے سوا کوئی بڑا مقصد نہیں ہے اور وہ محض جنگی نعروں سے کام لے رہے ہیں۔ مگر ایک دوسرا گروہ بھی ہے فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا جو اللہ کو یاد کرتے ہیں وہ بزدل نہیں، وہ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتے اور انہی خطوط پر بدلہ نہیں لیتے۔ وہ جتنی زیادہ دھمکیاں اور نعرے سنتے ہیں اتنا ہی ان کی توجہ خدا کی طرف مبذول ہوتی ہے اور یہی ان کی طاقت کا راز ہے اور اسی مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک خوبصورت شعر میں بیان فرمایا ہے:

؎ عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یار نہاں میں
(درثمین صفحہ: ۵۰)

تو ایک آیت میدان جنگ کا نقشہ کھینچتی ہے کہ ایک گروہ نے تو نعرے بازی اور دھمکیوں کا طوفان کھڑا کیا ہوا ہے اور دوسرا گروہ ان کا شور و غوغا سن کر۔ جتنا زیادہ شور وہ کرتے ہیں اتنا زیادہ خدا کے حضور کامل اطاعت اور فرمانبرداری سے جھکتے چلے جاتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ یہ جنگ تنہا نہیں جیت سکتے۔ دشمن کے بالمقابل ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ وہ اتنے کمزور لوگ ہیں کہ تمام

آثار ان کے خلاف ہیں۔ ان کے بالمقابل جتنے زیادہ حربے اختیار کئے جاتے ہیں وہ اتنے زیادہ منکسر المزاج بنتے چلے جاتے ہیں اور خدا کی اطاعت میں محو ہوتے چلے جاتے ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اس منظر میں ہمیں دوسرا گروہ دکھائی دیتا ہے۔ کتنا خوبصورت اور جو لوگ خدا کے حضور جھکتے ہیں وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ میں ان کی قربانیوں کا ذکر ہے کتنی عظیم الشان قربانی ہے! تمام لوگ جان لینے پر تلے ہیں مگر یہ خدا کی راہ میں جان دے دینے پر راضی ہیں۔ نہ صرف وہ خود اس میں شامل ہیں بلکہ ان کے باپ بھی اس میں شامل ہیں، ان کی مائیں بھی اس میں شامل ہیں۔ ہمیں ایک ابراہیمؑ نہیں لاکھوں ابراہیمؑ نظر آتے ہیں جو آنحضور ﷺ کی پیروی میں پیش پیش ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں اسماعیلؑ آنحضور ﷺ کی پیروی کر رہے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں ماؤں نے حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کے نقوش پر قدم مارا ہے اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ اسلام کی تاریخ سے اس کے شواہد ملتے ہیں۔ اگر آپ ان کی قربانیوں کا مطالعہ کریں کہ کس خلوص نیت سے انہوں نے یہ قربانیاں پیش کی ہیں تو آپ میرا مطلب سمجھ جائیں گے۔

ماؤں نے کیسی قربانیاں پیش کی ہیں؟ ایک ماں کے سات بیٹے تھے۔ سب کے سب جوان یعنی وہ اس عمر کو پہنچ چکی تھیں جب مزید اولاد ہونے کے امکان نہیں تھا۔ اس نے ان سب کو جہاد کے لئے بھیج دیا، میدان جنگ میں جہاں جانیں پیش کی جارہی تھیں اور کسی مجبوری سے نہیں بلکہ محض اللہ کی رضا کی خاطر، خدا تعالیٰ کے حضور آنسوؤں سے تر جھکتے ہوئے، ان کی زندگیوں کی حفاظت کی نہیں بلکہ ان کی شہادت کی دعا مانگتے ہوئے، میں دوبارہ اپنے بیٹوں کا منہ نہ دیکھوں، میں نے تیرے حضور یہ قربانی پیش کی ہے اسے قبول فرما۔ اے خدا! اس قربانی کو قبول فرما اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں سے ایک بھی زندہ بچ کر واپس نہیں آیا۔

حضرت ہاجرہؑ کی طرز کے یہ نمونے تھے جو آنحضور ﷺ نے تیار فرمائے اور آج بھی اسلام کو انہی کی ضرورت ہے۔ یہ ان واقعات سے کوئی جذباتی وابستگی کا اظہار نہیں ہے یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی مسلمان جو عیدالاضحیٰ منا رہا ہے انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم آج بھی آواز دے رہا ہے اور آج بھی آنحضورؐ کے متبعین اسی قسم کی قربانیوں کے لئے بلائے جارہے ہیں کہ وہ اس ابراہیمی نمونہ پر قدم ماریں جو آنحضور ﷺ نے پیدا کیا۔ ایسے باپ جو اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیں اور

انہیں ایسی مائیں بننے کی طرف بلایا جا رہا ہے جیسی حضرت ہاجرہؑ تھیں کیونکہ اسلام اس وقت تک زندہ نہیں ہوسکتا جب تک ہم اپنا خون اس کی راہ میں نہ پیش کریں۔

یقیناً ایک مختلف رنگ میں ایسی مخلصانہ قربانی کرتے ہوئے جس میں ہمیں اپنی گردن اور اپنا سر تو اس رنگ میں پیش نہیں کرنا کہ ایک ثانیہ میں اسے تن سے جدا کر دیا جائے۔ اس بار ایک مختلف رنگ میں بلایا جا رہا ہے۔ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یاد دلاتی ہے۔ آپ کی تمام زندگی درکار ہے، جو کچھ آپ کے پاس موجود ہے اس کی اسلام کو ضرورت ہے۔ مائیں، بچے اور باپ سب کو اس میں حصہ لینا ہے اور اسی صورت میں ہم اسلام کی فتح کی خوشی منا سکتے ہیں اور یہی راہ ہے جس پر ہم چلنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہم دن رات دعاؤں میں مصروف ہیں کہ یہ ہمیں اپنی زندگیوں میں حاصل ہو جائے۔ خدا ہمیں یہ نصیب کرے، خدا ہمیں ہمت اور طاقت دے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ایسی قربانیاں پیش کر سکیں جو زندگی کی وہ روح پھونک دیں، جن کا آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے عظیم الشان نمونہ دکھایا۔

خطبہ ثانیہ کے دوران میں فرمایا:

نماز سے پہلے میں بتانا چاہتا ہوں کہ امام صاحب لندن نے خواہش ظاہر کی ہے کہ میں انشاء اللہ یہاں کچھ دیر رک کر ان لوگوں سے مصافحہ کروں جن سے مصافحہ کرنے کی میری بھی خواہش ہے لیکن لازمی نہیں کہ سب کھڑے رہیں کیونکہ ہم پہلے ہی دیر سے آئے ہیں جس کی وجہ ٹریفک جام اور دیگر مسائل تھے۔ کچھ ہمارے اندازوں کی غلطی بھی تھی۔ چنانچہ ہم یہاں بڑی دیر سے پہنچے تو جو گھروں کو واپس جانا چاہیں وہ بخوشی جا سکتے ہیں لیکن جو لوگ ٹھہریں میں ان سے مصافحہ کروں گا اور عید مبارک کہوں گا۔ دوسرے جب آپ گھر جائیں تو اللہ کو اسی طرح یاد کریں جس طرح آنحضور ﷺ یاد کرتے تھے۔ خصوصاً عید کے بعد اور واپسی پر اپنا راستہ بھی بدل لیں کیونکہ یہ آنحضور ﷺ کا طریق تھا اور آپ ﷺ ہمیں اتنے محبوب ہیں کہ ہم آپؐ کی پیروی میں خوشی محسوس کرتے ہیں خواہ آپ کو حکمت سمجھ آئے یا نہ صرف پیروی رسولؐ کی خاطر، حضورؐ کی محبت میں **اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد** کی تکبیر گھر پہنچنے تک پڑھتے جائیں۔ یہی دراصل اس خوشی کے منانے کا انداز ہے اور دعا ہے کہ وہ دن جلد آئے جب خدا کے سوا کوئی اور کسی معبود کا تصور بھی

نہ رہے اور وہ سب قوتوں والا ہے۔

اب ہم دعا کریں گے لیکن پہلے میں آپ کو طریق کار سمجھا دوں۔ ہاتھ ملاتے وقت کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے۔ کیوں نہ برمنگھم والا طریق اختیار کریں؟ میں آپ تک آؤں گا، آپ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں اور چل پھر کر اپنی ٹانگیں بھی سیدھی کر لوں گا۔ تو آپ تشریف رکھیں میں قطاروں میں چکر لگاؤں گا اور جس کے پاس پہنچوں وہ کھڑا ہو کر ہاتھ ملائے اور پھر بیٹھ جائے اور جو جانا چاہیں وہ خاموشی سے چلے جائیں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے بعد حضور نے دعا کروائی۔